ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

اردو ادب میں اساطیر کی حسن کاری: ایک تجزیہ

Artifacts of Mythology in Urdu Literature: An Analysis

شمائلہ اقبال

پی ایچ ڈی اردو اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر سید عون ساجد

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

Shamaila Iqbal
PhD Urdu Scholar, Federal Urdu University, Islamabad
Dr. Syed Aoun Sajid
Assistant Professor Urdu, Federal Urdu University, Islamabad

ABSTRACT

Mythology has a long lasting beautifying impact on the literature of all eras. Since the dawn of the literature, myths have played a key role in enlightening as well as entertaining the human mind and society. Urdu literature, in general, and Urdu fiction in specific, is enriched with mythology. Urdu Masnavi, along with Urdu Dastan, has greatly been influenced by the mythology. Similarly, Urdu novels and short stories have also witnessed the impact of mythology. Nonetheless, the ancient mythical legacy is evolving into science fiction in the present era. Mythology has infused the elements of alienation, mystery, imagination, suspense and wonder into the literature. The article under study presents an analysis of Urdu literature focusing on the impact of mythology. All the above said aspects have been reviewed and examined; a conclusion has been drawn and presented at the end.

Key Words: Urdu Literature, Mythology, Beautification, Poetry, Fiction, Novel, Short Story, Husn Kaari, Urdu Adab, Tajasus, Fear, Beauty

اساطیر ازمنہ قدیم سے انسان کی دنیا و عناصرِ دنیا کو سمجھنے کی ابتدائی کاوشیں ہیں جن میں مافوق الفطرت واقعات و کرداروں سے مدد لی گئی ہے۔ اس اختراع نے انسان کو مادی وجودات سے ماورا جانے کے راستوں سے آشنا کیا۔ اس نے ان جانی دنیاؤں کی کیفیات اور ان دیکھی طاقتوں کو تخیل کے زور پر تراش کر دوسرے انسانوں کے سامنے پیش کرنے کے فن سے واقفیت دلائی۔ انسان نے خود تحیر، تجسس اور تخوّف کے جذبات محسوس کیے اور ان کو تحریر و تقریر میں پیش کیا۔ اس عمل سے انسانی افعال میں اساطیری قوتوں اور دنیاؤں کے عمل دخل کا تصور پھلا پھولا۔ اساطیر کا یہ سلسلہ فطرت کے مظاہر کی نئی اور منفرد توجیہ پر مبنی تھا۔ دیکھا جائے تو اس میں انسان نے اپنے خوف یا خواہش کی تجسیم کی ہے اور اساطیری کردار تخلیق کیے ہیں۔

"اساطیر کی بنیاد انسان کے ابتدائی حسی تجربے ہیں، انسان کے 'وژن' نے مختلف سطحوں پر اساطیر کی تخلیق کی۔"[1]

زیرِ نظر مضمون میں اساطیر کی ادب میں حسن کاری کے عناصر کو واضح کیا گیا ہے، اساطیر کی حسن کاری سے مراد وہ معنوی وسعت و اثر آفرینی ہے جو اساطیر نے ادب کو ودیعت کی ہے۔ اور پھر ان کا اطلاق افسانوی ادب (شاعری و نثر دونوں) پر کیا گیا ہے کہ کہانی (خواہ وہ شاعری میں پیش کی گئی ہے یا نثر میں) میں اساطیر کی شمولیت کیوں کی گئی اور اس شمولیت کے کہانی کی جمالیات پر کیا اثرات ہوئے۔

انسان نے اپنی دنیا کی دیکھا دیکھی اساطیر کی دنیا بنائی۔ اس نے اپنی دنیا میں جو کچھ دیکھا انھی خطوط پر اس نے اساطیر کی دنیا تخلیق کی۔ انسانوں کی دنیا میں اونچ نیچ ،طاقتور کمزور، اچھائی برائی، مرد عورت کے تصورات پائے جاتے ہیں اس لیے اساطیر کی دنیا میں بھی انھی بنیادوں پر کردار تشکیل دیے گئے۔ اساطیر کے ارتقائی سفر میں دیومالائی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

نظام کے ساتھ سماجی اساطیر نے بھی وجود پایا جن کا تعلق مذہبی اساطیر کی بجائے سماج و سیاست سے تھا۔ سماج و سیاست کی بنیادیں طاقت کے حصول پر قائم ہیں اس لیے ہر فرد کسی نہ کسی ذریعے سے طاقت کے حصول کا خواہش مند تھا۔ اس کے لیے کسی نے عملی راستہ اختیار کیا اور ہتھیار و اوزار بنانے شروع کیے۔ دوسری طرف کچھ افراد نے اس کے لیے جادو و کہانت کی روایت کی جڑیں سماج میں مضبوط کیں جس سے اساطیر کا سلسلہ وجود میں آیا۔

سماج کے دیگر مظاہر مثلاً محبت و سماجی تعلق کی وضاحت کے لیے بھی اساطیر تخلیق ہوئیں جن میں پریوں اور جنات کی تخیلاتی دنیا پیدا کی گئی۔ اس دنیا میں بھی انسانی سماج کے سارے روپ ڈالے گئے۔ حسن و محبت کی کار فرمائیاں پریوں کے ساتھ وابستہ کی گئیں تو رقابت و بد صورتی و بد سیرتی کی خصوصیات جنوں میں مجسم کی گئیں۔ سیاستِ انسانی کے نمونوں پر اساطیر میں بھی سیاسی درجہ بندیاں کی گئیں۔ اساطیری سیاسی سلسلوں میں بھی انسانی جذبات و خیالات ہی کار فرما رکھے گئے، محض نام و مقام تبدیل کیے گئے۔ ناز قادری کے الفاظ میں:

> ”اگر چہ اساطیری کردار بظاہر بے حد فوق الفطری، عجیب الخلقت، توہمی اور غیر عقلی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی خیر ہی نہیں شر کی نمائندگی کرنے والے کردار بھی ہوتے ہیں۔ ان میں بھی حسد، لالچ، جھوٹ، مکر اور خود غرضی جیسی عادات و خصائل ہوتے ہیں جن کے مقابلے پر خیر و صداقت، نیکی و اخلاص کے نمائندے بھی ہوتے ہیں۔“۲

مختصر یہ کہ اساطیر کی تشکیل کے بارے میں چار اہم نظریات پائے جاتے ہیں جن میں تاریخی، تمثیلی، تجسیمی اور رواجی نظریات شامل ہیں۔ تاریخی نظریے سے مراد وقت کے ساتھ واقعات کے بیان میں مبالغہ و اضافہ آرائی ہے کہ حقیقت میں بہت سا غیر حقیقی مواد شامل کر لیا جاتا ہے۔ تمثیلی نظریہ یہ ہے کہ فطری مظاہر کی وضاحت کے لیے کچھ تمثیلات گھڑی گئی ہیں۔ اسی طرح تجسیمی نظریہ کے مطابق مظاہر فطرت کی تجسیم کی گئی ہے اور مظاہر کو انسانی جذبات و احساسات سے نوازا گیا ہے۔ رواجی نظریہ کے مطابق ابتدائی ادوار میں کچھ رواج موسموں اور موسمیاتی تبدیلیوں کے مطابق تشکیل دیے گئے تھے، پھر ان کی نسبت کچھ دیوی دیوتاؤں کے ساتھ جوڑی گئی اور اصلی بنیادیں پس منظر میں چلی گئیں۔

> ”دنیا کے تمام افسانوی ادب کی جڑیں انہی فوق فطری کہانیوں، محیر العقول داستانوں، عجیب الخلقت romances میں گھرتی چلی گئی ہیں، حتیٰ کہ بیسویں صدی جیسی سائنسی صدی میں بھی۔ اساطیر تمام دنیا کی زبانوں میں تخلیق کا حیرت انگیز سرچشمہ ہیں۔ اساطیر سے کردار اخذ کیے گئے ہیں، تصورات کو کسب کیا گیا ہے، زبان کی تخلیقی قوتوں کو سمجھا گیا ہے۔ جس طرح اساطیر مجاز کے پردے میں حقائق کی نمائندگی کرتے ہیں ناول اور افسانے کے فن میں بھی اسی طور کو آزمایا جاتا ہے۔“۳

اساطیر روزِ اول سے آج تک ادب کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کی بنیاد چونکہ فوق فطری عناصر پر ہوتی ہے اس لیے تخیل، تصور، تحیر، تجسس، تنوع اور اجنبیت و پُر اسراریت اس کے لابدی اجزا ہیں۔ یہی اجزا ہیں جو کسی بھی کہانی میں حسن و تاثیر بھرتے ہیں۔ اساطیر نے کہانی کو یہ اجزا ابتدا سے دیے اس لیے کہانی سننے اور سنانے والے دونوں اذہان کی انہی کے مطابق تربیت ہوئی۔ جس کہانی میں یہ اجزا جتنے قوی ہوتے ہیں اتنی ہی وہ کہانی قوی سمجھی جاتی ہے۔ یہی عناصر اس کو حسن و تاثیر بھی بخشتے ہیں۔ ان اساطیری عناصر کے بغیر ان کہانیوں کا نہ صرف حسن و اثر ماند پڑ جاتا ہے بلکہ اس کا توازن و تعامل بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

چونکہ ادب کی ابتدا شاعری سے ہوئی اس لیے اساطیر نے بھی پہلے پہل اسی میں راہ پائی اور شاعری میں پیش کردہ کہانیوں پر اس کا اثر ہوا۔ خاص طور سے مثنویات میں جو کہانیاں پیش کی گئیں ان میں اساطیر بطورِ اساسی جُز شامل رہے۔ جدید کہانی (ناول و افسانہ) نے فوق فطری اجزا و اجنبیت سے جان چھڑانے کی کوشش کی لیکن تخیل، تحیر اور تجسس ان کی بھی ضرورت رہے۔ قاری آج بھی تحیر و تجسس ہی کی بنیاد پر فکشن کی قوت و تاثیر کا فیصلہ کرتا ہے۔ آج کا جدید فکشن بھی اگر عام زندگی کی عام پیشکش پر مبنی ہو تو اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی، نہ وہ قاری کو مسحور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایسی کہانی کو پھُسپھسا اور بے رنگ سمجھا جاتا ہے۔ جدید ذہن اساطیر کو کتنا ہی خلافِ عقل اور بے بنیاد قرار دے لیکن کہانی میں اس کی طاقت، تاثیر اور حسن سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے سارے اجزا انسانی جذبات و خواہشات سے مستعار ہیں۔ اساطیر کی بُنت میں انسانی جذبات، خواہشات اور تفکرات کا لہو بہہ رہا ہے اس لیے انسانی فکر اس سے کتنا ہی انکار کیوں نہ کرے اس کے جذبات و عواطف اسی کی طرف مائل ہوں گے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

اردو ادب کا آغاز اگر شاعری سے ہے، تو اردو کہانی کا آغاز بھی شاعری سے ہی ہے۔ چونکہ شاعری میں جذبات کی کار فرمائی نثر کے مقابلے میں فزوں تر ہوتی ہے اس لیے اس میں تخیل و تحیر کا عنصر بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ دنیا کے ہر مذہب کے اپنے اساطیر ہیں جو محیر العقل وماورائے عقل کرداروں اور واقعات پر مشتمل ہوتے ہیں، اور جن کو پیروکار اپنے مذہب کی بلندی و عظمت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ مذہبی شاعری کا تعلق جس مذہب سے بھی ہو اس میں اس مذہب کے تمام بنیادی عناصر بیان کیے جاتے ہیں۔ اردو کی مذہبی شاعری میں بھی اسی قسم کے اساطیر پائے جاتے ہیں۔

اردو شاعری میں کہانی کے بیان کے لیے اکثر مثنوی کی صنف استعمال کی گئی ہے۔ مثنویات میں بیان کردہ کہانیوں میں اساطیر بطور خصوصی جُز شامل ہیں کیوں کہ یہی وہ عنصر ہے جو کہانی میں تحیر و تجسس کی خصوصیات بھر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں کہانی کار کے لیے یہ سب سے آزمودہ و آسان نسخہ ہے۔ اس نے کہانی میں جہاں کہیں مشکل پیدا کی اس کو حل کرنے کے لیے کسی اساطیری قوت کا استعمال کیا۔ وہ قوت کبھی کسی جادو کے روپ میں سامنے آتی ہے، کہیں کسی بزرگ کی دعا کے روپ میں۔ اسی طرح مشکل پیدا کرنے اور حل کرنے کا کام کبھی دعا و بد دعا، شراپ و آشیرواد کے علاوہ جن، پری، بھوت وغیرہ سے بھی لیا جاتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

ہوا ابلیس اس کے سامنے جھکنے سے انکاری   یہی تھا امتیاز آدم کا جس سے جل گیا ناری

اسی سے دشمنی رکھنے کی کھائی ہے قسم اس نے   عبودیت کی چادر سے نکالا ہے قدم اس نے

یہ ظاہر ہے کہ شیطاں اب بڑی طاقت دکھائے گا   زمانے میں قیامت ڈھائے گا فتنے اٹھائے گا ۴

اردو مثنویات میں شعرا نے اساطیر کو بطورِ خاص برتا ہے اور ان کے ذریعے اپنی کہانیوں میں تحیر و تجسس اور اجنبیت و پُر اسراریت کی خصوصیات پیدا کی ہیں جس سے قاری نہ صرف محظوظ ہوتا ہے بلکہ وہ تخیل کی کار فرمائی دیکھ کر مسحور بھی ہو جاتا ہے۔ اردو کی پہلی مثنوی فخر الدین نظامی کی "کدم راؤ پدم راؤ" میں بھی اساطیری عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس میں انسان (کدم راؤ) اور ناگ (پدم راؤ) کا دوستانہ تعلق ہندی اساطیر پر مبنی ہے۔ اسی طرح جوگی کا کردار، اس کے علم و کمال، خاص طور سے "امر بید" کے علم کا تعلق بھی ہندی اساطیر سے ہے۔ یوں اس پہلی مثنوی میں ہی کئی اساطیری کردار و واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ یہی سلسلہ آگے چلتا رہا ہے اور اردو کی دیگر مثنویات مثلاً مقیمی کی "چندر بدن و ماہیار"، نصرتی کی "گلشنِ عشق"، ابنِ نشاطی کی "پھول بن" کی بنیادی بُنت بھی اساطیری عناصر سے ہی کی گئی ہے۔

اردو مثنوی کی روایت میں میر حسن کی سحر البیان اور دیا شنکر نسیم کی گلزارِ نسیم کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ دونوں مثنویات کی کہانیوں کی بُنت فوق فطری عناصر و اساطیر پر مبنی ہے۔ دونوں مثنویات کی کہانیوں میں کردار، واقعات اور مقامات تینوں شعبوں میں فوق فطری پن پیدا کر کے قاری کو متحیر کرنے کا سامان کیا گیا ہے۔

سحر البیان کے کردار: نجومی، رمال، ماہ رخ پری، دیو، جنوں کا بادشاہ اور اس کا بیٹا فیروز شاہ؛ مقامات: پرستان، ماہ رخ پری کا باغ اور اس کے طلسمات؛ اور کل کے گھوڑے کا ہوا میں اڑنا، پری کا شہزادے کو اٹھا لے جانا جیسے واقعات سب اساطیری پس منظر رکھتے ہیں اور کہانی میں تحیر و تجسس پیدا کرتے ہیں:

صدا آپ سے آپ گھڑیال کی   کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی

مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش   بہ خط سلیمانی اس پر نقوش

طلسمات کے پردے اور چلمنیں   ارادے پہ دل کے اٹھیں اور گریں ۵

اڑی جو پری وھاں سے لے کر اسے   اتارا پرستاں کے اندر اسے

وہاں ایک تھا سیر کا اس کی باغ   کہ جس کے گلوں سے ہو تازہ دماغ

ریاحین و گل اس میں انواع کے   طلسمات کل اس میں انواع کے

طلسمات کے سارے دیوار و در   نہ یاں کے سے کوٹھے، نہ یاں کے سے گھر

مطلّا، منقّش، مشبّک تمام   یہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اس میں نام ۶

اسی طرح گلزارِ نسیم پر نظر ڈالی جائے تو اس میں پائے جانے والے کردار: پری بکاؤلی، دیو، حمالہ دیونی، راجہ اندر، دیگر جنات و پریاں؛ مقامات: طلسماتی باغِ ارم، دیووں کا تعمیر کردہ گلشن نگاریں، صحرائے طلسم؛ واقعات: عورت کا مرد بننا، شہزادے کا عورت بننا، صحرائے طلسم کے جادوئی واقعات، بکاؤلی کا نصف جسم کا پتھر ہو جانا، بکاؤلی کا دوسرا جنم، وزیر زادہ بہرام کا قُمری بن جانا وغیرہ اساطیر سے متعلق اجزا ہیں جو کہانی کی تشکیل اور تاثیر کے ذمہ دار ہیں:

دانت اس کے گور کن قضا کے دو نتھنے رہ عدم کے ناکے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک ۷

گلشن نگاریں کی اساطیری پیشکش اس طرح کی گئی ہے:

دیکھ آیا میں وہ مقامِ یاقوت ہے معدنِ لعل وکانِ یاقوت
تختہ ہے زمردیں کہ مینو گلشن ہے جواہریں کہ جادو
نقشہ کہوں کیا نگار خانہ جادو کا تمام کار خانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد رہنے والے ہیں آدمی زاد ۸

اردو کی دیگر مثنویات مثلاً طوطی نامہ از جعفر علی حسرت اور مثنوی دلپذیر از سعادت یار خان رن گین میں بھی پری، دیو، جادو، طلسمات، علمِ جوگ، جون بدلنے وغیرہ جیسے واقعات و عوامل موجود ہیں جو قصے کو ایک ماورائی پن دے کر اس کی دلکشی و دلچسپی میں اضافہ کرتے ہیں۔

اردو نثر کی صنف داستان میں بھی اساطیر کی واضح کار فرمائی موجود ہے۔ داستان گو کو ہر لحہ مافوق الفطرت عناصر کی ضرورت پیش آتی ہے جسے وہ اساطیر کی مدد سے پورا کرلیتا ہے۔ داستان گو کو بار بار مافوق الفطرت کرداروں، مقامات، واقعات اور علوم سے کام لینا پڑتا ہے اور ان سب اجزا کے لیے اسے لامحالہ اساطیر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ داستانیں عوام کے لیے کہی اور لکھی جاتی رہی ہیں اس لیے ان میں اساطیر کا سماجی تناظر برتا جاتا ہے نہ کہ مذہبی تناظر۔ ان میں مذہبی دیومالا و صنمیات کی بجائے اساطیر کے سماجی روپ یعنی پری، دیو، جادو، جوگ وغیرہ کا برتاؤ پایا جاتا ہے۔ اردو داستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اکثر مشہور داستانوں میں یہی ماورائی و فوق فطری اجزا موجود ہیں اور اپنا جادو جگا رہے ہیں۔

اردو کی مشہور داستان "باغ و بہار" میں اکثر کردار و واقعات فطری ہیں لیکن ہر درویش کی کہانی میں ماورائیت سوارِ برقع پوش (مولا مشکل کُشا) کے نمودار ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور کہانی اپنے مطلوبہ انجام کو جِنوں کے بادشاہ اور اس کی جناتی فوج کے ورود سے پہنچتی ہے، اس کے بغیر کہانی کا یہ خوش کُن انجام اتنی آسانی سے ممکن نہ تھا۔ اسی طرح "فسانۂ عجائب" کو دیکھا جائے تو اس میں نجومی، طوطا، طلسم، نقشِ سلیمانی، جادوگر، انتقالِ روح (کایا پلٹ) کے واقعات اساطیری رنگ پیدا کرتے ہیں اور یہ عجائبات کہانی کی رنگ طرازی کرتے ہیں۔

داستانِ امیر حمزہ و طلسمِ ہوش ربا بھی اسی قبیل کی داستانیں ہیں جن میں شہزادہ امیر حمزہ کی مہمات کا بیان ہے۔ اس کہانی میں دلچسپی کے اہم عناصر میں سے امیر حمزہ کی ماورائی قوت، پیش آمدہ طلسمات، جادو و جادوگر، دیو و جنات، عمرو عیار اور اس کی زنبیل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام عناصر مل کر کہانی میں داستانی سحر آفرینی پیدا کرتے ہیں اور قاری کو اپنے سحر میں جکڑتے ہیں۔

گویا داستان اور اساطیر ایک دوسرے سے جڑے ہیں جن کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ داستانوں میں اساطیر ہی کے ذریعے سے تمام مظاہر فطرت اور ان کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔

داستانوں کے علاوہ اساطیر کا عمل دخل ہمیں ناول جیسی صنف میں بھی نظر آتا ہے۔ فکشن کی جدید صنف ناول کا تعلق سائنسی دور سے ہے، اس وجہ سے اس میں اساطیریت و ماورائیت کے عناصر گو کہ خاصے کم ہوگئے مگر کہیں نہ کہیں کسی صورت میں اساطیر ناول کی کہانی سے جھانکتے دکھائی دیتے ہیں۔ اردو ادب کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کا ناول 'رویائے صادقہ' ایک ایسے کردار پر مبنی ناول ہے جو سچے خواب دیکھتی ہے۔ یہ خواب ایسے ہوتے ہیں جو وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے متعلق ہوتے ہیں اور خواب کی بنیاد پر آنے والے وقت میں اپنے حق میں بہتر تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ اساطیری رنگ کا حامل ناول کہا جا سکتا ہے۔ منشی پریم چند کا ناول 'پردۂ مجاز' ہندی

اساطیر میں موجود کسی بھی شخص کے سات مرتبہ جنم لینے والے عقیدے کو پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ناول 'گؤدان' جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اساطیری عناصر لیے ہوئے ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول جو اساطیری علامات اور اساطیری عناصر کے حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں ان میں آگ کا دریا، آخر شب کے ہمسفر اور ناولٹ سیتا ہرن شامل ہیں۔ ان ناولوں میں قرۃ العین حیدر نے معنویت کی گہرائی پیدا کرنے کی غرض سے اساطیر کا استعمال کیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کا ناول 'ایک چادر میلی سی' بھی اساطیر کے عناصر لیے ہوئے ہے۔ کہانی ناول کے مرکزی کردار رانو کے گرد گھومتی ہے جس میں خانقاہ والا کنواں، شیو، پاروتی، دیوی ماں اور وشنو جیسے کرداروں کے ذریعے اساطیری فضا قائم کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جیلانی بانو کا 'ایوانِ غزل'، کرشن چندر کے ناول 'دل کی وادیاں سو گئیں' اور صلاح الدین پرویز کے تحریر کردہ ناول 'نمرتا' میں بھی اساطیری عناصر کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

چونکہ تخیل و تحیر اور اجنبیت و پُر اسراریت کا جادو انسانی فطرت سے آسانی سے اترنے والا نہیں، اس لیے ان عناصر نے جدید فکشن میں اپنا نیا راستہ نکالا اور سائنس فکشن کو جنم دیا۔ سائنس فکشن میں اساطیر کے جدید روپ سامنے آئے۔ قدیم اساطیر کا رخ ماضی کی طرف تھا (مراد یہ کہ جو عناصر پیش کیے جاتے تھے ان کے بارے میں قاری کا تصور یہ تھا کہ یہ چیزیں ماضی میں موجود تھیں) جب کہ سائنس فکشن نے اپنا رخ مستقبل کی طرف موڑ دیا (اس میں قاری محسوس کرتا ہے کہ یہ چیزیں آج نہیں ہیں لیکن مستقبل میں وجود پذیر ہونے والی ہیں)۔ سائنس فکشن کی کہانیوں میں سائنسی منطق برتی جاتی ہے۔ ہر مظہر کے لیے کوئی سائنسی یا علمی پس منظر تخلیق کیا جاتا ہے اور پھر اسے پیش کیا جاتا ہے۔

اردو میں سائنس فکشن کے سلسلے میں جاسوسی ناول اور کہانیاں پیش کی جا سکتی ہیں۔ محی الدین نواب کے "دیوتا"، ابن صفی اور مظہر کلیم کے "جاسوسی دنیا" اور "عمران سیریز" کے نام اس سلسلے میں اہمیت کے حامل ہیں۔ دیوتا میں ٹیلی پیتھی کو بطورِ قابلِ عمل علم اور ہتھیار کے پیش کیا گیا ہے، اسی طرح 'جاسوسی دنیا' و 'عمران سیریز' میں نئی نئی سائنسی ایجادات اور فارمولوں پر مبنی کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔ اس حوالے سے مظہر کلیم کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

> ”میں اپنی کہانیوں میں جن ایجادات کے بات کرتا ہوں تو اس انداز سے کرتا ہوں کہ وہ وقت سے پہلے بھی غیر منطقی اور ناقابل وجود نہ ہوں قاری یہ سمجھے کہ ایسا دنیا میں ممکن ہو سکتا ہے اور ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ میرے ناولوں میں ایسی بے شمار ایجادات اور سائنسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو شاید ابھی تک پاکستانی سماج میں متعارف یا رائج بھی نہ ہوئی ہوں۔“ ۹

ان کہانیوں میں ماورائیت کا تصور نہیں ابھرتا بلکہ یہ سب کچھ عام انسان کی دسترس میں محسوس ہوتا ہے، لیکن تحیر و تجسس اور پُراسراریت کے عناصر ان میں بھی خاصے توانا نظر آتے ہیں۔ یہ کہانیاں انسانی ذہن کو مزید سوچنے اور دریافت و ایجاد کرنے کی طرف مائل کرتی ہیں۔

جہاں تک اردو افسانہ میں اساطیر کی شمولیت کا تعلق ہے اس سلسلے میں مہدی جعفر لکھتے ہیں:

> ”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ افسانہ مشرق کی چیز ہے یا مغرب کی، مگر یہ جانتا ہوں کہ مشرقی مزاج اور حسیت افسانوی ادب کے لیے بڑی ساز گار ہے۔ مشرق میں نہ جانے کب سے اساطیر، کتھائیں اور داستان وغیرہ افسانے کے لیے راہ ہموار کرتے رہے ہیں۔“ ۱۰

اسطورہ افسانہ نگاری کی ابتدا ہی سے افسانہ سے تعلق استوار رکھے ہوئے ہے۔ اردو ادب کے کئی افسانہ نگاروں نے شعوری و لاشعوری طور پر اساطیر کو اپنی کہانیوں میں جگہ دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اساطیر نے اردو افسانے کو موضوعات میں جدت کے ساتھ ساتھ معنویت اور تکنیکی تنوع بھی عطا کیا ہے۔

افسانہ اردو کہانی کی ایک اساسی صنف ہے۔ لیکن افسانہ چونکہ جدید صنف ہے۔ اس وقت لوگ سائنس فکشن کو تو ذہنی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ اس کی جہت مستقبل کی طرف ہوتی ہے لیکن اساطیری ماورائیت جدید ذہن کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اس لیے ابتدا ہی سے افسانے میں اساطیر کی بطورِ حقیقت کار فرمائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس صنف میں اساطیری واقعات و کرداروں کو البتہ علامت کے طور پر تو پیش کیا جاتا ہے لیکن کہانی کے حقیقی جُز کے طور پر عموماً اسے برتا نہیں جاتا۔ اس عمل سے افسانہ نگار اساطیر کو 'معانیِ دگر' عطا کر کے پیش کرتے ہیں۔ ابتدائی افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم کی کہانی "حضرتِ دل کی سوانح عمری" میں اساطیری علائم کی

صورت میں کیوپڑ اور سائیکی کا اسطورہ ہو یا پریم چند کی پہلی کہانی "دنیا کا سب سے انمول رتن" میں حضرتِ خضر کا کردار اور سر بفلک پہاڑ کی چوٹی، یہ سب عناصر اساطیری جہت کے حامل ہیں۔ سلطان حیدر جوش اور نیاز فتح پوری کی کہانیوں میں پیش کیا جانے والا نارسس کا اساطیری کردار بھی اہمیت کا حامل ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کا نام اساطیری حوالوں سے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ان کے ہاں افسانوں میں اساطیری عناصر کا استعمال وسیع معنوں میں کیا گیا ہے. کہانی میں اساطیری عناصر کی شمولیت ان کے افسانوں کو معنویت عطا کرتی ہے۔ ان کے کچھ افسانوں میں اساطیر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جبکہ کچھ افسانوں میں اساطیر ضمنی صورت میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ محمد نذیر احمد لکھتے ہیں:

> ”راجندر سنگھ بیدی اردو کے اولیں افسانہ نگار ہیں جنھوں نے ہر پہلو سے اساطیر کو پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں اساطیر کے استعمال کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ بیدی کہانی کے درمیان بڑی چابک دستی سے اساطیر کو پیش کر کے مختصر افسانے میں نہ صرف کئی کہانیاں سناتے ہیں بلکہ واقعات اور کرداروں کی معنویت کو بھی بڑھا دیتے ہیں۔“۱۱

انتظار حسین وہ افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں میں اساطیر کا بھرپور ذکر ملتا ہے۔ ان کے اساطیر کے برتاؤ سے اردو افسانہ ایک نئے رنگ سے روشناس ہوا۔ ان کے افسانوں کی فضا اساطیری اور داستانی ہے۔ انتظار حسین کے متعدد افسانوں (مثلاً آخری آدمی، کایا کلپ، زرد کتا، سوئیاں وغیرہ) میں اساطیر کو بطور پس منظری علامت استعمال کیا گیا ہے۔ محمد نذیر احمد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”انتظار حسین نے افسانے کا رشتہ بیک وقت داستان، حکایت، مذہبی روایتوں، قدیم اساطیر اور دیومالا سے جوڑ دیا ہے نیز ان اساطیر کو مختلف مذاہب کی قدیم روایتوں کے تخلیقی اظہار کے لیے مشترکہ طور پر استعمال کرنے کا بھی کامیاب تجربہ کیا ہے مختلف اساطیری روایات کے اظہار کے لیے جداگانہ اور منفرد انداز بھی اپنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ داستانوی انداز ناول اور افسانے کی مغربی ہئیتوں کی بہ نسبت ہمارے اجتماعی لاشعور اور مزاج کا زیادہ ساتھ دیتا ہے۔“۱۲

اساطیر کے ذریعے انتظار حسین جذبات کی تطہیر کرتے ہیں۔ انہوں نے اردو افسانے میں اساطیری علامتوں کو فروغ دیتے ہوئے قارئین کے شعور کی تربیت سازی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں ”ڈاکٹر مظفر الدین کا 'تین ملک، ایک کہانی' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں انہوں نے علامتی اور اسطوری اسلوب کو اپنا کر برصغیر کی تہذیب کے سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، نسلی، لسانی اور نفسیاتی مزاج کی تاریخی توضیح کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ افسانے برصغیر کی تہذیبی سائیکی میں آرکی ٹائپس کے مطالعے اور تفہیم سے عبارت ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اساطیر نے انسانی ذہن کو تخیل کے ذریعے ماورائی دنیاؤں، کرداروں اور واقعات سے روشناس کیا۔ ان کہانیوں نے انسان کو تحیر و تجسس میں ڈالا اور اجنبیت اور اسرار کے کیف سے نوازا۔ ان کہانیوں سے ہی تخلیق کار ذہنوں کو جِلا ملی اور انھیں سحر انگیزی کی تاثیر کے طریقوں سے واقفیت دلائی۔ یہ اساطیر ہی ہیں جس نے نہ صرف انسانی ذہن و زندگی کو آگے بڑھنے کے لیے مہمیز کیا بلکہ اسے راستہ بھی دکھایا۔ ان اساطیر سے انسانی ایجادات بھی متاثر ہوئیں اور نت نئی دنیاؤں کی کھوج کے جذبات بھی پیدا ہوئے۔ کہانی کاروں نے ان کہانیوں سے تخیل و تصور، تحیر و تجسس اور اجنبیت و پُر اسراریت کے حسن و اثر کو سمجھا اور اسے بروئے کار لاتے ہوئے انسان کو لطف و حظ اور علم و دریافت کا سامان فراہم کیا۔ ان کہانیوں میں بنیادی حسن اجنبیت و ماورائیت کا ہے جو خالصتاً اساطیر کی دین ہے۔ کہانی کار کو کہانی میں علامت کے استعمال سے معنوی وسعت و اثر آفرینی کی تعمیر بھی اساطیر نے ہی سکھائی ہے اس لیے اساطیر کی علمی و ادبی اہمیت آج بھی مسلّم ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان، ”اساطیر کی جمالیات“، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء، ص ۴
۲۔ ناز قادری، ”اردو ہندی فکشن میں اساطیر“، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۲۱ء، ص xi,xii
۳۔ ایضاً، ص xiii
۴۔ حفیظ جالندھری، ”شاہنامہ اسلام“، لاہور: لحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳

۵۔ میر غلام حسن دہلوی، ''سحر البیان (مرتبہ رشید حسن خان)''، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اگست ۱۹۸۷ء، ص ۵۸

۶۔ ایضاً، ص ۵۷

۷۔ دیا شنکر نسیم، ''مثنوی گلزارِ نسیم''، لکھنؤ: نامی پریس، ۱۹۲۸ء، ص ۱۱

۸۔ ایضاً، ص ۲۷

۹۔ مظہر کلیم ایم اے

https://archive.org/details/ماکا%20زونگا%20عمران%20سیریز%20از%20مظہر%20کلیم%20ایم%20اے / retrieved on 23/07/2024 at10:00 am

۱۰۔ مہدی جعفر، ''اردو افسانے کے افق''، لکھنو: نصرت پبلیشر، ۱۹۸۳ء، ص ۸

۱۱۔ محمد نذیر احمد، ''اردو افسانوں میں اساطیری عناصر کا جائزہ''، حیدر آباد: نوبل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۷ء، ص ۳۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۸۵

Roman references:

1. Shakeel Ur Rehma, Dr, “ Asateer ki Jamaliyaat” New Delhi: Educational Publishing House, 2007, P4
2. Naaz Qadri, “ Urdu Hindi Fiction mein Asateer”, New Delhi, Qoumi council baray Faroog e Urdu Zaban, 2021, P xi-xii
3. Ibid, Xiii
4. Hafeez Jalandhari, “ Shahnama e Islam” , Lahore: Alhamd Publication, 2006, P33
5. Mir Ghulam Hassan Dehlavi, “ Sehr Ul Bayan (Morattaba Rasheed Hassan Khan)” , New Delhi: Maktab e Jamiya Limited, August 1987, P58
6. Ibid, P57
7. Diya Shankar Naseem, “Masanvi Gulzar e Naseem”, Lacknow: Naami press, 1928, P11
8. Ibid, P27
9. Mazhar Kaleem MA, https://archive.org/details/ ماکا%20زونگا%20عمران%20سیریز%20از%20مظہر%20کلیم%20ایم%20اے/ retrieved on 23/07/2024 at10:00 am
10. Mehdi Jafar, “Urdu Afsaany kay Ufaq”, Lacknow: Nusrat Publisher, 1983, P8
11. Muhammad Nazeer Ahmad, “ Urdu Afsanon mein Asateeri Anasir ka jaeza”, Haider Abad: Nobel Publishinh, 2017, P30
12. Ibid, P85